حسینؑ اور انسانیت

عالیجناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق صدر جمہوریہ ہند

آج دنیا کے ہر گوشہ میں ایک غمناک واقعہ کی یاد لوگوں کو آرہی ہے جسے ہوئے ۱۳۰۰ر برس سے اوپر گزر گئے۔ کیا یہ کسی خاص عصبیت کو قائم رکھنے کی خواہ مخواہ کی کوشش ہے؟ انسانی تاریخ کا دامن کیا المناک حوادث سے اتنا خالی ہے اور رنج والم اور درد وکرب کیا انسانی زندگی میں ایسے نادر تجربے ہیں کہ بس بعض المناک حوادث کو چن چن کر یاد رکھا جائے؟ میں سمجھتا ہوں کہ بات اس سے زیادہ گہری اور انسانیت کے لئے زیادہ اہم ہے۔ مجھے تو اس واقعہ میں انسانی ارتقاء کے اصل اصول کا راز چھپا نظر آتا ہے۔ اسے یاد کر کے، اسے یاد رکھ کر، انسانیت جو بھولتی بھی ہے، بھٹکتی بھی ہے، سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر پگڈنڈیوں پر پڑی پھرا بھی کرتی ہے، اور آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹتی رہتی ہے، وہ انسانیت اس واقعہ کو یاد کر کے سچ یہ ہے کہ اپنی صحیح راہ کو یاد کرتی ہے اور ایک دفعہ پھر منازل ارتقائی کو طے کرنے کا قصد کرتی ہے، چاہے یہ یاد دھندلی سی یاد ہو، چاہے یہ قصد بہت ہی کمزور سا ارادہ ہو۔

تاریخ کا ہر واقعہ کسی خاص سیاسی اور تمدنی ماحول میں ہوتا ہے اور بہت سے دوسرے واقعات سے مربوط ہوتا ہے۔ ربط کا یہ حلقہ اکثر بہت چھوٹا ہوتا ہے اور تاریخ انسانی کی وسعت میں یہ مربوط وحدت زیادہ عرصہ تک مؤثر وحدت کی حیثیت نہیں رکھ سکتی اور تاریخ اسے ہوتے ہوتے بھلا دیتی ہے لیکن بعض واقعات باوجود اپنی تاریخی، مکانی وزمانی پابندیوں کے، حیات انسانی کے کسی ایسے اہم اصول کے ترجمان ہوتے ہیں کہ جب تک وہ اصول کارفرما ہے ان کا بھلانا ذہن انسانی کے لئے دشوار ہوتا ہے، وہ ایک منفرد واقعہ نہیں ہوتا، سارے واقعات کی روح ہوتا ہے۔ ان واقعات کا فہم حوادث تاریخ کے بے ربط و بے ترتیب سے انبار میں ربط وترتیب پیدا کر دیتا ہے، ان سے تاریخ کی تاریکیوں کو روشنی نصیب ہوتی ہے اور اس کا بظاہر بے معنی سا سلسلہ واقعات بامعنی معلوم ہونے لگتا ہے۔ شہادت حسینؑ کا واقعہ اسی قسم کے واقعات میں سے ہے۔ یہ ایک مخصوص تاریخی چوکھٹے میں دراصل زندگی کے عالم گیر اصل اصول کو انسانیت کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

قدرت نے انسان کے علاوہ ہر بے جان اور جاندار مخلوق کو اپنے وجود کا توازن پانے کے لئے اندرونی کشاکش سے بچایا ہے۔ کہیں مادی خواص کو کہیں فطری جبلتوں کو اس توازن کا ضامن بنا دیا ہے۔ داخلی تضاد کی کٹھن منزل جو انسان کے لئے، انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں مقدر ہے اس سے اور ساری مخلوق محفوظ ہے، پتھر بھی اس سے مامون ہیں، جانور بھی، فرشتے بھی۔ ایک انسان ہی ہے جس کے نصیب میں متضاد عناصر کی کشاکش سے ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ یہ اپنا توازن کھو بھی سکتا ہے، پا بھی سکتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ انسان شاید ایک درمیانی عبوری مخلوق ہے۔ اس کے وجود کی سرحدیں ایک طرف حیوانی علاقے سے ملتی ہیں، ایک طرف الٰہی سے۔ اس کے سینے کو متضاد قوتوں اور میلانوں کا جولانگاہ بنا کر، کفر وشرک کی کشاکش میں ڈال کر، روح انسانی کو یہ سعادت ارزانی کی گئی ہے کہ وہ اسی مشکل میں ایک ہم آہنگ ومتوازن حیات طیبہ کی تعمیر کر سکتی ہے۔ مادی اشیاء کی دلفریب کشش سے بھی اسے واسطہ

ہے اور مادیت سے دامن چھڑانے کا شدید ولولہ بھی اس میں کار فرما ہے۔ یہ خود غرضی وخود بینی کا مرکز بھی ہے اور محبت کی بے غرضی اور بے نفسی سے بھی اسی کا سینہ معمور ہے۔ یہ سفا کانہ تاخت وتاراج کے بے خیال اور برخود غلط جنون کا شکار بھی ہوسکتا ہے اور بے تھکے کٹھن سے کٹھن جماعتی تعمیر کے لئے اپنی قوت کا ایک ایک شمہ بھی وقف کرسکتا ہے۔ یہ تمرد اور نخوت وغرور کے نشے میں معصوم گردنوں سے خون کے دریا بہانے سے نہیں جھجکتا، اور تسلیم ورضا کا کشتہ بننا بھی اسی کو آتا ہے۔ یہی حریصوں کی طرح بٹورتا ہے۔ یہی بہار کی طرح لٹاتا ہے۔ یہی اوروں سے چھینتا ہے، یہی اپنا سب کچھ اوروں پر نثار کردیتا ہے، یہی پلی پلی جوڑتا ہے، یہی کپے ڈھلکاتا ہے۔ یہی ہر تغیر سے ڈرتا ہے اور سارے تغیر اس کے شرمندۂ احسان ہیں، یہی احتیاط کے مارے پھونک پھونک کر قدم اٹھانے سے بھی ڈرتا ہے اور پھر یہی سرفروشانہ دہکتی آگ میں کود پڑتا ہے۔ یہی زمین سے تنگ نہیں ہٹا سکتا، یہی ستاروں سے باتیں کرتا ہے، یہی غفلت میں اعلیٰ سے منھ موڑ کر ادنیٰ کا گرویدہ ہوجاتا ہے، یہی ہوشیار ہو کر ادنیٰ کی آلودگیوں سے دامن چھڑا کر اعلیٰ کی طرف بیتابانہ بڑھتا ہے، یہی زندگی پر جان دیتا ہے اور حیات بے شرف تک پر راضی ہو جاتا ہے، یہی جان دے کر زندگی کا چراغ روشن کرنا بھی جانتا ہے اور مرگ یا شرف کو اصل حیات اور ضامن حیات مانتا ہے، یہی سرکشی کرتا ہے، یہی سر تسلیم خم کرتا ہے، یہی کافر ہے یہی مومن، یہی فرعون یہی موسیٰ یہی شرار بولہبی، یہی چراغ مصطفویؐ، یہی یزید، یہی شبیرؑ اور اس کے ارتقاء کا سارا راز، بہائم پر اس کی فضیلت کی اصل، اس کی انانیت کا سارا شرف اس میں ہے کہ یہ ادنیٰ پر اعلیٰ کو ترجیح دینے کے لئے، اپنے ضمیر کی پکار، اپنے قلب کے حقیقی میلان، اپنی عقل سلیم کے سچے رجحان کی وجہ سے مجبور ہے۔ یہ اس پکار کو ٹالتا ہے اس میلان کو دباتا ہے، اس رجحان کو توڑتا مروڑتا ہے، لیکن ان سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یہ برائیاں کرتا ہے مگر اچھائی سے ہمیشہ کے لئے روگردانی نہیں کر سکتا، ظلم کرتا ہے مگر عدل کے مطالبے اسے بےچین رکھتے ہیں باطل کی حمایت کرتا ہے مگر حق سے دامن نہیں چھڑا سکتا، بدنمائیوں پر قانع نظر آتا ہے مگر حسن کے جادو سے پوری طرح محفوظ کبھی نہیں ہوتا۔ اسفل کی گھاٹیوں میں رہتے ہوئے بھی ایک گوشۂ چشم سے اعلیٰ کی چوٹیوں کو تکتا رہتا ہے۔ جب برائیوں کا غلبہ ہوتا ہے، جماعتی زندگی مفاسد سے پر ہوتی ہے اور ضمیر کی انفرادی زندگی اس مسموم ہوا میں دم توڑتی ہوتی ہے، اس وقت اس کا کوئی نہ کوئی فرد اس کے حقیقی ضمیر کا ترجمان، اس کی اعلیٰ قدروں کا محافظ اور معلم بن کر اسے جھنجھوڑتا ہے، بیدار کرتا ہے، اور اپنے کو خطرے میں ڈال کر اسے اپنی حقیقی تقدیر کے فراموش کرنے یعنی روحانی خودکشی سے باز رکھتا ہے۔ کربلا میں شہادت حسینؑ کا واقعہ ارتقائے انسانی کے اس عمل کا ایک مہتم بالشان، غیر فانی، تاریخی مظاہرہ تھا۔ یہ باطل کے مقابلے میں حق کا، جماعتی مفاسد کے مقابلے میں افراد صالحہ کے فریضہ انقلاب کا، حکومت کے ظلم کے مقابلے میں شہری کے مطالبۂ عدل کا، بیدینی کے مقابلے میں دین کا سینہ سپر ہونا تھا کہ کہیں سیاسی اقتدار وجبروت ضمیر انسانی کی چنگاری کو بالکل بجھا نہ دے اور کہیں مصلحت اندیشی، خوف تن آسانی انسان کو اقتدار مطلقہ کے مطالبوں سے بیگانہ نہ کر دے۔

وہ قوت ارتقائی ہی جس کے حامل حسینؑ اس تاریخی واقعہ میں تھے انسان کی حیات طیبہ کی ضامن ہے۔ یہی اسے بہیمیت کے اسفل السافلین میں لوٹ جانے سے روکتی ہے اور اس کا طریق کار بھی یہی ہے کہ اس کے حامل اس کے تقاضوں کو اپنی زندگی میں پورا کریں کہ اس کے تقاضے، اس کے مطالبے، دلیلوں سے منوائے نہیں جاسکتے، نہ خالص عقلی مقولوں میں ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ ان کو اپنی زندگی میں برت کر دکھانا ہوتا ہے، ان کے لئے آرام وآسائش کو تجنا ہوتا ہے، اپنے پرائے کا برا بننا ہوتا ہے، محبت کے پھول برسا کر پتھر کھانے ہوتے ہیں، دعاؤں کے جواب میں گالیاں سننی پڑتی ہیں، مخلصانہ خدمتوں کے عوض

بدگمانیاں اور بے اعتمادیاں ملتی ہیں اور ان سب کو مسکرا کر سہنا ہوتا ہے اور ان کی خاطر جی سے جانا ہوتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ وضاحت سے اور اپنی غیر مشروط مطلق شکل میں یہ اس وقت سامنے آتے ہیں جب ان کے لئے ناکامیوں کو کامیابوں پر اور محرومیوں کو کامرانیوں پر ترجیح دی جاتی ہے اور اپنی پوری شان اور رنگینی میں اس وقت جب ان کے لئے جان کی بازی لگائی ہوتی ہے۔ کربلا کے میدان میں اقدار مطلقہ کی یہ حمایت اپنی اسی صاف اور واضح اور بے میل شکل میں سب دنیا کے سامنے آئی اور ایک داستان سادہ ورنگین، سے تاریخ انسانی کو ہمیشہ کے لئے مالا مال کر گئی۔

کس سادگی سے فرمایا اس شہید انسانیت نے حق پر اپنی آخری شہادت سے ایک شب پہلے:

لوگو! دنیا نے اپنا رنگ کیسا بدل لیا ہے؟ نیکی سے خالی ہوگئی ہے! افسوس، دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے، اور باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے، اسے سہارا دے! بس اب وقت ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقاء الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت کی موت چاہتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے، یہ شہید حق تاج وتخت لینے نہیں نکلا ہے، تاج وتخت لینے والے لقائے الٰہی کی خواہش نہیں کیا کرتے، تاج وتخت چاہنے والے یکسوئی سے شہادت کا قصد کر کے نہیں نکلا کرتے، تاج وتخت کے طالب مٹھی بھر آدمیوں سے لشکر جرار کا مقابلہ نہیں کرتے۔ یہ شہید حق اس سستی کامیابی، کے لئے نہ نکلا تھا جو انسان کو اکثر سچائی اور اچھائی سے بے تعلق وبیگانہ کر دیتی ہے۔ کامیابی چاہنے والے اپنے گنے چنے ساتھیوں کو معرکے سے پہلے ساتھ چھوڑ سکنے کی رخصت نہیں دیا کرتے، وہ مقابلے سے پہلے کی شب میں ان سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کل میرا اور ان کا فیصلہ ہو جائے گا، میری رائے ہے کہ تم خاموشی سے نکل جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہید اپنی شہادت کو انسانیت کے لئے اتنا صاف اور واضح بنانا چاہتا ہے کہ کسی کو سمجھنے میں ذرا دشواری نہ ہو۔ پھر جب وفادار ساتھی ساتھ نہیں چھوڑتے تو قربان گاہ تسلیم ورضا پر اپنی آنکھوں کے سامنے کی قربانی پیش فرماتے ہیں۔ ایک ایک کر کے وفادار ساتھی قربان کئے جاتے ہیں، عورتوں اور بچوں کو بے وارث ہوتے دیکھا جاتا ہے، جوان بیٹے کو اپنے آگے راہی ملک بقا کیا جاتا ہے، شیر خوار پیاس سے بلکتے بچے کو اپنے ہاتھوں میں دم توڑتے دیکھا جاتا ہے اور پھر اپنی جان کا ہدیہ جان آفریں کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ گویا حق کے لئے قربانی کا سبق دینے والا قربانی کی ہر دشوار سے دشوار اور دل شگاف سے دل شگاف شکل کی مثال بیک وقت پیش کر دینا چاہتا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس راہ میں کوئی قربانی بھی ایسی ہے جو نہ کی جائے۔ قدرت کو بھی شاید اس سبق کی وضاحت منظور ہے۔ ادھر سے قوت وجبروت بھی اپنی سب عادتوں کا پورا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان بظاہر ناکام مخالفوں کے سر کاٹے جاتے ہیں، ان کی لاشیں روندی جاتی ہیں، ان کی عورتوں کے سروں سے چادریں اتاری جاتی ہیں، ان کے خیمے جلائے جاتے ہیں، رسیوں سے باندھا جاتا ہے، طوق پہنائے جاتے ہیں، ناکامی کی ہر ممکن شکل کا ظہور ہوتا ہے تاکہ حق پرستی کا سب سے موثر سبق انسانیت کے ذہن نشیں ہوجائے۔ حق کا ساتھ دینا جب کامیابی، سستی وقتی کامیابی، اس کی جلو میں ہو کچھ بہت دشوار نہیں، اس کی راہ میں ناکامیوں کو سینہ سے لگانا اور اس کی آخری فتح پر ایمان رکھنا حق کی حقیقی قوت کو آشکار کرتا ہے، یہی انسانیت کی ضمانت ہے، یہی شہادت حسینؑ کا ماحصل۔ اسی سے حسینؑ انسانیت کے محسنین اعظم میں ہیں اور ان کی شہادت کی داستان تاریخ انسانیت کا ایک نہایت قیمتی رنگین ورق۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۳۶۶ محرم ۱۳۸۲ھ)

❁❁❁